تفسیر معارف قرآن

ڈاکٹر سعد صدیقی

نبی کریم رؤف رحیم علیہ الف الف تحیتہ وتسلیم نے خطبہ حجتہ الوداع کے موقع پر دو باتیں ارشاد فرمائیں۔

پہلی بات یہ ارشاد فرمائی کہ سال آئندہ حج کے موقع پر میں تمہارے درمیان نہیں ہو نگا یعنی حق جل مجدہ ' نے جس مقصد کے لئے مجھے مبعوث کیا تھا' وہ پورا ہوچکا ہے ' احکام نزول مکمل ہو گیا' تکمیل دین کا اعلان ہوگیا ہے' لوگ فوج در فوج اسلام میں داخل ہورہے ہیں اور مجھے باری تعالیٰ کی طرف سے ہدایت مل گئی ہے کہ فَسَبِّح بِحَمْدِ رَبِّکَ وَاستَغفِرہ

دوسری بات آپ نے یہ ارشاد فرمائی کہ میں تم میں دو چیزیں چھوڑے جارہا ہوں ' اللہ کی کتاب اور اس کے نبیؐ کی سنت' ان دونوں چیزوں کو مضبوطی سے تھامے رکھنا ' ان پر خود عمل کرتے رہنا' اور دوسروں کو بھی اس کی طرف بلاتے رہنا۔

صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم نے الا فلیبلغ الشاھد الغائب کی صدا کو براہ راست سنا اور پھر علوم قرآن اور معارف نبوی کو نسل آئندہ میں منتقل کرنا شروع کیا' آج اس صدا کو چودہ سو برس گذر چکے ہیں ' لیکن اس کی بازگشت آج بھی سنائی دیتی ہے' علماء امت نے علوم قرآن اور معارف نبوی کی جس طرح خدمت کی وہ تاریخ کا ایسا حصہ ہے کہ جسے چند سطروں یا چند صفحات میں بیان نہیں کیا جاسکتا ' کسی نے قرآن کریم کے الفاظ' اور اس کی ادائیگی کے فن میں مہارت حاصل کی' وہ قاری وماہر تجوید ہوا'

کسی نے اس کے معانی کی خدمت کی ' وہ مفسر کہلایا' کسی نے اس سے مستنبط ہونے والے فقہی وقانونی مسائل اخذ کئے تو امت نے اسے فقیہ ' مجتہد' اور مفتی جیسے مبارک القاب سے نوازا' کسی نے اس کے طرز استدلال کو اپنا محور گفتگو بنایا تو اسے متکلم کہا گیا۔

علوم قرآن اور معارف نبوی کی یہ خدمات جب برصغیر میں پہنچیں تو اس خطہ کو یہ سعادت حاصل ہوئی کہ چند برسوں ہی میں یہ خطہ بھی بصرہ وبغداد کی طرح علوم دینیہ کا گہوارہ بن گیا'

سید سلمان ندوی کے مطابق برصغیرپاک وہند میں عربوں کی آمدورفت کا آغاز ساتویں صدی قبل از مسیح میں ہوچکا تھا۔ (ندوی ۹ عرب وہند کے تعلقات : ص ۱۲) اسلام کی آمد کے بعد اور خصوصاً"حضرت عمرؓ کے عہد خلافت میں ان تعلقات میں مزید استحکام پیدا ہوا پھر ولید بن عبدالملک کے عہد میں سنہ ۹۳ ر۷۱۲ء میں علوم اسلامیہ کے چراغ روشن ہوئے ۔ ۷۱۵ء سے ۱۰۰۰ ء ہجری تک علوم عربیہ اسلامیہ کی ترویج واشاعت ہوئی ' ۱۰۰۰ء سے ۱۵۲۶ء تک پانچ سو سالہ عہد میں حکومتی امور کے لئے فارسی زبان کا سہارا لیا گیا لیکن علوم اسلامیہ کی ترویج واشاعت میں عربی زبان ہی نمایاں رہی ۔ پھر فارسی اس صف میں شامل ہوگئی اور پھر اردو نے بھی اپنا مقام بنایا۔

ہمارا موضوع کیونکہ تفسیر قرآن کریم ہے اور اس کا بھی ایک رجحان وسیلان ہے اس لئے دیگر علوم دینیہ کے بجائے اپنی گفتگو کا محور تفسیر کو بنایا جائے گا اور صرف ماثور تفاسیر پر بحث کی جائے گی ۔

علم تفسیر میں بھی تصنیفی خدمات کا آغاز برصغیر میں عربی زبان میں لکھی گئی تفاسیر سے ہوا ' ڈاکٹر زبید احمد کے مطابق ہندوستان میں پہلی تفسیر عربی زبان میں لکھی گئی ' یہ تفسیر ابوبکر اسحاق بن تاج الدین (م ۷۳۶ ھ ر ۱۳۳۵ء) نے جواھر القرآن کے نام سے تحریر کی' پھر اس کا خلاصہ ' "خلاصۃ الجواھر" کے نام سے مرتب کیا' (۱)

ڈاکٹر قدوائی کے مطابق اصلی تفسیر کا تو پتہ نہیں چلتا البتہ خلاصۃ الجواھر کا ایک نسخہ برلن کے کتب خانہ میں موجود ہے (۲)

برصغیر کے ابتدائی دور میں لکھی جانے والی عربی تفاسیر میں التفسیر المظھری کو بنیادی حیثیت حاصل ہے' اس تفسیر کو برصغیر کی اولین ماثور تفسیر کہا جاتا ہے قاضی ثناء اللہ پانی پتی عثمانی' شاہ ولی اللہ اور شیخ عابد سنامی کے اجل تلامذہ میں سے ہیں ' شاہ عبدالعزیز محدث دھلوی نے آپ کو بیہقی وقت کا خطاب دیا ہے ۔ ۱۲۲۵ھ ر ۱۸۱۰ء میں آپ نے وفات پائی ۔

دس جلدوں پر مشتمل قاضی ثناء اللہ کی یہ تفسیر آپ کے شجر علمی، علم حدیث پر دسترس اور فقہ حنفی سے کمال وابستگی کا واضح اور بین ثبوت ہے قاضی کی اس تفسیر پر ماثور رنگ اس طرح نمایاں ہے کہ اس کتاب کی تالیف وترتیب کے لئے آپ نے متون حدیث کی ۸۶ کتب اور اصول ودلالت حدیث کے لئے ۱۹ کتب سے استفادہ کیا ہے ۔ گویا آپ کی تفسیر صرف حدیث کی ۱۰۰ سے زائد کتب کا جوھر اور نچوڑ ہے اور یہی امتیاز اس کو انہی فقہی اور کلامی خصوصیات کے باوجود ماثور تفاسیر کی صف میں نمایاں کرتا ہے اردو زبان میں اولین ماثور تفسیر، شاہ عبدالقادر (م ۱۲۳۰ھ/ ۱۸۱۴ء) کی موضح القرآن ہے ۔ موضح القرآن، بنیادی طور پر ترجمہ کی مختصر توضیح ہے، لیکن اس کو ماثور تفاسیر میں شامل کیا جا سکتا ہے شاہ صاحب نے ان مختلف توضیحات میں مراد قرآن سمجھانے کی کوشش کی ہے اس میں نہ تو فلسفیانہ بحثیں ہیں اور نہ فقہی مباحث ۔ آپ کا ترجمہ وتفسیر مرادیہ کا پتہ چلتا ہے آپ کاترجمہ اور تفسیر اردو کے ابتدائی عہد کے شاہکار ہیں، اس سے پہلے شاہ مراد اللہ انصاری کی تفسیر مرادیہ کا پتہ چلتا ہے جو ۱۱۸۴ھ/ ۱۷۷۰ء میں تالیف کی گئی، جبکہ موضح القرآن کا سال تالیف ۱۲۰۵ھ/۱۷۹۰ء ۔ موضح القرآن اس قدر مقبول ہوئی کہ اسے اردو کی اولین تفسیر شمار کیا جانے لگا۔

شاہ صاحب کا انداز بہت سادہ اور شستہ ہے قاری شاہ صاحب کے اخلاص اور قرآن وصاحب قرآن سے ان کی عقیدت ودل بستگی کو محسوس کئے بغیر نہیں رہ سکتا ۔ زبان میں ایسی حلاوت وشرینی ہے کہ ایسی حلاوت اردو کے ذخیرہ ادب میں کم کم نظر آتی ہے ۔ اھل علم کے لئے یہ تفسیر بہترین سرمایہ حیات ہے ۔

برصغیر کے ماثور تفاسیر کے مؤرخین میں نواب صدیق حسن خان قنوجی م ض ۱۳۰۷ھ/ ۱۸۸۹ء آپ نے فتح البیان فی مقاصد القرآن کے نام سے تفسیر مرتب کی اپنی تفسیر میں آپ نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ارشادات، صحابہ کے فرامین اور تابعین کے اقوال کو سلیقہ اور حسن ترتیب سے جمع کیا ہے روایت ودرایت پر حاوی یہ تفسیر، تفسیر بالرائے سے پاک، اقوال سلف پر مشتمل جامعیت کے باوجود اختصار کا دامن تھامے ہوئے ہے۔

حافظ سید احمد حسن محدث م ۱۳۳۸ھ/۱۹۱۹ء کا نامی، اسم گرامی بھی تفسیر کے اس دبستان میں امتیازی مقام رکھتا ہے "احسن التفاسیر" کے نام سے آپ نے ایک تفسیر مرتب کی، اس تفسیر میں شاہ عبدالقادر کے ترجمہ قرآن کو بنیاد بنایا گیا ہے مولانا سید حافظ احمد حسن نے پہلے احسن الفوائد کے نام سے شاہ

صاحب کے ترجمہ کی چیدہ چیدہ مقامات کی توضیحات کیں پھر احسن التفاسیر کے نام سے انہیں مکمل کردیا ۔ ابن جریر' ابن کثیر کی تفاسیر کے علاوہ خازن' درمنثور' بخاری' ترمزی اور مستدرک کے تفسیری حصوں سے بکثرت استفادہ کیا گیا ہے اور صحیح ترین روایات کو نقل کرنے کا اہتمام کیا گیا ہے مقطوع' مرسل روایات سے گریز کیا گیا ہے ۔

علامہ سید امیر علی ملیح آبادی (م ض ۱۳۳۷ھ/ ۱۹۱۸) کی تفسیر مواھب الرحمٰن بھی برصغیر کی مقبول تفاسیر میں شمار ہوتی ہے جس میں سید امیر علی نے صحابہ' تابعین اور تبع تابعین کی آراء اور ان کا تعامل نقل کیے ہیں ۔

یہ اس پس منظر کی چند جھلکیاں تھیں جو ہمیں مولانا محمد ادریس کاندھلوی کی معارف القرآن کے ماضی میں نظر آتا ہے ۔ مولانا محمد ادریس کاندھلوی کا تعلق ہندوستان کے صوبہ یوپی کے ایک مردم خیز قصبہ' کاندھلہ سے تھا۔ علمی اعتبار سے مولانا کو سہ جہتی فضیلت حاصل تھی ' ایک جانب آپ کے خاندان میں علماء محدثین اور مفسرین کی کثیر تعداد موجود تھی ' دوسری جانب آپ کے وطن مالوف سے ایک کثیر تعداد علماء محدثین ومفسرین کی منسوب نظر آتی ہے ۔ بقول احسان دانش ۔ "کاندھلہ میں متعدد شاعر بھی تھے' جید مولوی بھی انگریزی کے فارغ التحصیل بھی اور اصول وعقیدہ کے لحاظ سے انگریزی کو گناہ خیال کرنے والے صاحب نظر بھی' نیز پرانے فیشن کے وہ علماء بھی جن کی علمیت کے باعث دنیا بھر کے دارالعلوم "کاندھلہ" کا نام عزت سے لیتے ہیں" (۳)

مولانا محمد ادریس کاندھلوی کی پیدائش اگرچہ بھوپال میں ہوئی لیکن آپ کے آباء واجداد کا وطن مالوف کاندھلہ ہی تھا ۔ ۱۲ ربیع الثانی ۱۳۱۷ھ/ ۲۰ اگست ۱۸۹۹ء کو مولانا نے اس دنیا میں آنکھ کھولی ۔

تعلیم کا آغاز حفظ قرآن کریم سے ہوا ۹ برس کی عمر میں حفظ کی تکمیل کے بعد ابتدائی تعلیم مولانا اشرف علی تھانوی کے مدرسہ خانقاہ امدادیہ تھانہ بھون میں حاصل کی اور پھر پہلے مظاہر علم سہارنپوراور پھر دارالعلوم دیوبند سے دورہ حدیث یعنی درس نظامی کی تکمیل کی مولانا خلیل احمد سہارنپوری ' مفتی عزیز الرحمٰن' مولانا محمد احمد قاسمی' سید محمد انورشاہ کاشمیری' علامہ شبیر احمد عثمانی اور مولانا ظفر احمد عثمانی جیسے اجلاء المحدثین ومفسرین سے آپ نے کسب فیض کیا۔

برصغیر سے تعلق رکھنے والے ان مرد نجوم علم سے استفادہ کی بدولت مولانا ایک کثیر الجہت شخصیت کے مالک ہوگئے تھے کبھی آپ کے اندر علامہ شبیر احمد عثمانی کا محدثانہ رنگ نظر آتا ہے تو

بخاری کی شروح تالیف کرتے ہیں کبھی آپ کے اندر علامہ انور شاہ کشمیری کا متکلمانہ رنگ نمایاں نظر آتا ہے تو آپ عقائد وکلام پر قلم اٹھاتے ہیں۔

مولانا کی نصف صدی کی خدمات تفسیر وحدیث کا جوھر اور نچوڑ معارف القرآن کی شکل میں ہمارے سامنے موجود ہے۔

معارف القرآن کی وجہ تالیف بیان کرتے ہوئے مولانا نے ابتداء ترجمہ قرآن اور پھر برصغیر کے تفسیری ادب پر مختصراً بحث کی ہے ان مفسرین میں ایک جانب آپ نے نام لے کر جن مفسرین کا تذکرہ کیا' ان میں مولانا اشرف علی تھانوی ' مولانا عبدالحق دھلوی اور علامہ شبیر احمد عثمانی کے نام شامل ہے جبکہ دوسری طرف مولانا نے کچھ مفسرین کا تذکرہ نام لئے بغیر کیا' آپ لکھتے ہیں "ان آزاد مفسروں کی ہمہ تن کوشش یہ ہوتی ہے کہ لفظ تو عربی ہوں اور معنی مغربی یہاں اگرچہ مولانا نے کسی خاص تفسیر یا کسی مخصوص مؤلف کانام تو نہیں لیا البتہ تعبیر والفاظ اور فحوائے کلام اس بات کی غمازی کررہے ہیں کہ مولانا کا اشارہ ان مفسرین کی جانب ہے جو سلف کے علوم سے اپنے آپ کو آزاد سمجھتے ہیں اور ان حدود وقیود کی پاسداری نہیں کرتے جو ایک مترجم اور مفسر کے لیئے ضروری ہیں مولانا نے اپنی کتاب کی دو وجوہ تالیف بیان کی ہیں۔

(۱) صحیح ترجمہ اور مختصر وجامع تفسیر کی منزل کے بعد ضرورت اس امر کی ہے کہ بیان القرآن کی طرز پر ایک ایسی جامع تفسیر لکھی جائے جو سلف صالحین کے مسلک سے ذرہ برابر بھی ہٹی ہوئی نہ ہو' عہد صحابہ وتابعین سے آج تک **راسخین فی العلم** نے قرآن کریم کی جو توضیحات بیان کی ہیں' انہیں ایک امانت سمجھتے ہوئے' مسلمانوں تک پہنچا دیا جائے اور اپنی رائے کو اس میں بالکل دخل نہ ہو۔

(۲) مترجمین ومفسرین کے روپ میں آزاد منش گروہ جو فتنہ وفساد پھیلا رہا ہے اس فتنہ سے مسلمانوں کو متنبہ اور محفوظ کیا جائے۔

مولانا نے اپنی تفسیر کی جو خصوصیات بیان کی ہیں ان کی روشنی میں بھی اور خود تفسیر کے مطالعہ سے بھی یہ بات واضح ہوتی ہے اور پورے شرح صدر کے ساتھ کہی جاسکتی ہے کہ مولانا کی یہ تفسیر متقدمین کے تفسیر ماثور کے انداز پر مرتب ہے تمام تر تفسیر اقوال صحابہ وتابعین اور سلف صالحین کے آثار پر مبنی ہے مولانا لکھتے ہیں۔

اس حقیر وفقیر کی یہ تفسیر گداگروں کی جھولی کی طرح ہے کہ جو قسم قسم کے کھانوں اور طرح طرح

کے نوالوں سے لبریز ہے اور فقیروں کی گڈی کی طرح ہے جس میں ناظرین کو رنگ برنگ کے پیوند نظر آئیں گے اگر کوئی اس گدائے بے نوا سے پوچھے کہ تیرے پاس یہ قسم قسم کے کھانے اور رنگ برنگ کے اطلس وکم خواب کے ٹکرے کہاں سے میسر آئے تو یہ ناچیز جواب میں یہ عرض کرے گا کہ میں تو گدائے بے نوا ہوں مگر بادشاہوں اور امیروں کے دروازوں پر بھیک مانگنے کے لیے جاتا ہوں وہاں سے بھیک میں جو کھانے مل جاتے ہیں وہ لا کر دوستوں کے سامنے رکھ دیتا ہوں جس کو جو لقمہ اور نوالا خوش ذائقہ معلوم ہو اسے نوش جاں کرے اور جو چیز مرغوب طبع نظر آئے وہ تناول کرے یہی حال اس علم کے گدائے بے نوا کا ہے کہ اس تفسیر میں جو کچھ بھی علم ہے وہ سب کا سب مختلف خسروان علم وحکمت کے دروازوں سے ملی ہوئی بھیک ہے جو ایک دروازہ میں جمع کردی گئی ہے اور اکثر وبیشتر ان دروازوں کے نام بھی بتادیئے ہیں جہاں سے یہ فقیر بھیک مانگ کر لایا ہے تاکہ جسے اور کچھ مانگنا اور لینا ہو تو خود ان دروازوں تک پہنچ جائے ۔ (۴)

مولانا کے ان الفاظ پر غور کریں تو محسوس ہوگا کہ ایک جانب تو مولانا نے اپنی تفسیر کو احادیث آثار صحابہ اور اقوال سلف پر مشتمل بتایا تو دوسری جانب ان علماء ' محدثین اور مفسرین کے سامنے کس قدر تواضع کا اظہار کی ایک ایسا انسان جسے علوم دینیہ کی درس وتدریس اور اس میدان تصنیف وتالیف میں قدم رکھے چوالیس برس سے زائد گزر چکے ہیں نہ تو اپنے علم ومطالعہ کے بلند وبانگ دعوے کررہا ہے اور نہ ہی سلف کی کاوشوں کو بے جا تنقید کا نشانہ بنا رہا ہے نہ یہ دعویٰ ہے کہ قرآن کریم کے مفاہیم ومطالب کو آج تک کسی نے سمجھا نہیں نہ یہ الزام کہ برصغیر میں خصوصاً" اور دنیاء میں عموماً" غیر صائب تفسیری اقوال معروف ہیں اور نہ یہ ادعا ہے کہ مجھے سلف کی تفسیروں سے کوئی تسلی بخش مواد نہیں ملا ۔ واقعی ایک مفسر قرآن کو اسی قسم کی تواضع کا خوگر ہونا چاہیے کہ کلام الٰہی کو سمجھنے اس کے مفہوم کو پانے اور پھر اسے سمجھانے کے لیئے جہاں مختلف علوم میں مہارت ضروری ہے وہاں تقویٰ وطہارت نیک اعمال اور پاکیزہ خیالات کا ہونا بھی ضروری ہے یہی چیزیں دراصل معانی قرآن کی روح ہیں اور تواضع سے ہی پیدا ہوتی ہیں ۔

معارف القرآن کے ماخذ مصادر پر نظر ڈالیں تو بھی یہی احساس ہوتا ہے کہ یہ ایک ماثور تفسیر ہے آپ کی کتاب کے اہم مصادر میں علم تفسیر میں علامہ سیوطی کی در منثور قاضی ثناء اللہ پانی پتی کی تفسیر مظہری' علامہ ابن کثیر کی تفسیر القرآن العظیم' امام رازی کی مفاتیح الغیب' علامہ آلوسی کی روح المعان'

ابن جریر کی جامع البیان' ابن عطیہ کی روح البیان' اور ابوحیان کی البحر المحیط' شامل ہیں نقل احادیث و آثار صحابہ کے لئے آپ نے حدیث کی امہات الکتب سے جن میں صحاح ستہ کے علاوہ مصنف ابن ابی شیبہ مستدرک حاکم اور ابن قدامہ کی المغنی' شامل ہیں شروح متون میں ابن حجر کی فتح الباری' علامہ عینی کی عمدۃ القاری اور قسطلانی کی ارشاد الساری شامل ہیں۔

سلف صالحین کے مسلک ومشرب آثار قدیمہ صحابہ وتابعین اور قدوۃ المفسرین کے اقوال پر مشتمل اس تفسیر کی تالیف کا آغاز ۱۳۶۰ھ/ ۱۹۴۱ء میں ہوا یہ وہ زمانہ ہے جبکہ ایک جانب تو قراردار پاکستان منظور ہورہی ہے مسلمان ایک علیحدہ مملکت کے لیے جدوجہد کررہے ہیں تو دوسری جانب بعض نقاسیر میں وحدت ادیان کا تصور پیش کیا جارہا ہے ان حالات میں اور پھر قیام پاکستان اور سفر ہجرت پاکستان کے سلسلہ میں تصنیف کا سلسلہ منقطع رہا ۱۳۶۰ھ/ ۱۹۴۱ء سے ۱۳۸۲ھ/ ۱۹۶۲ء تک ۲۲ سال کے عرصہ میں آپ سورۃ النساء کے اختتام تک تفسیر مرتب کرپائے۔ پھر ۱۳۸۲ھ سے ۲۷ صفر ۱۳۹۴ھ/ ۱۹۷۴ء تک ۱۲ سال کے عرصہ میں آپ نے سورۃ صافات تک تفسیر مکمل کرلی۔ سورۃ صافات کی آخری آیات۔

سبحٰن ربک العزۃ عما یصفون وسلام علی المرسلین والحمد اللّٰہ رب العلمین کی تفسیر لکھ پائے تھے کہ علالت کا سلسلہ شروع ہوگیا اور ۸ رجب ۱۳۹۴ھ/ ۲۸ جولائی ۱۹۷۴ء کو یہ عظیم مفسر ومحدث خالق حقیقی سے جاملا۔ اور پھر بقیہ قرآن کریم کی تفسیر خلف الرشید' والد محترم مولانا محمد مالک کاندھلوی نے کی۔

مولانا نے اپنی کتاب میں مرفوع احادیث کے علاوہ خصوصاً" جن صحابہ کرام کے اقوال نقل کیئے ہیں۔ ان میں عبداللہ بن عباسؓ' عبداللہ بن مسعودؓ' ابوھریرہؓ اور حضرت عائشہؓ کے اقوال کو خصوصی اہمیت کے ساتھ نقل کئے ہیں۔

بعض واقعات کی تفسیر وتوضیح کے ضمن میں مولانا نے بعض مفسرین سے بہت لطیف اقوال نقل کئے ہیں مثلاً" آدم وابلیس کے واقعہ میں سہل بن عبداللہ کا قول نقل کرتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ ابلیس کو سجدہ کرنے کا حکم دیتا ہے ابلیس نے حکم ماننے سے انکار کیا آدم کو درخت کھانے سے منع کیا تھا آدم نے درخت کھالیا ابلیس ملعون ومردود ہوا اور آدم کی توبہ استغفار قبول کرلی گئی۔ اس سے معلوم ہوا ترک امر کا جرم ارتکاب نہی سے زیادہ سخت ہے کیونکہ ارتکاب نہی کا منشا ہمیشہ شہوت ہوتا ہے جبکہ ترک امر کا منشا ہمیشہ استکبار اور خود پسندی ہوتا ہے شہوت اور خواہشات نفس کی وجہ سے اگر کوئی شخص

معصیت میں مبتلا ہوجائے تو اللہ اس کو معاف کردیتا ہے لیکن جس کے قلب میں ذرہ برابر بھی تکبر ہو وہ جنت میں داخل نہیں ہوسکتا حدیث قدسی' کبریائی میری رداء ہے اور عظمت میری ازار ہے جو شخص اس میں میرے سے جھگڑے گا میں اس کو کچل ڈالوں گا۔

مولانا کی ساری تفسیر احادیث مرضوعہ آثار صحابہ اقوال تابعین سے بھرپور نظر آتی ہے پھر اس تفسیر میں آپ کا محدثانہ اور متکلمانہ رنگ نمایاں ہوتا ہے۔ آپ جہاں ضرورت محسوس کرتے حدیث کی سند پر بھی بحث کرتے یہ رنگ آپ کی معاصر تفاسیر میں کم کم نظر آتا ہے۔

انبیاء کرام کے معجزات کا جہاں ذکر آتا ہے وہاں آپ روایات و آثار میں ان معجزات کی حقانیت اور صحیح حقیقت پر بڑی بھرپور بحث کرتے ہیں۔

غرضیکہ مولانا کی یہ تفسیر ۱۳۹۴ سال کے مفسرین کی خدمات کا لب لباب اور نچوڑ ہے۔ اور واقعتاً "معارف القرآن" کہلانے کی صحیح مستحق ہے۔

اللہ تعالیٰ ہمیں اس سے استفادہ کرنے کے مواقع عطا فرمائے۔

آمین

حوالہ جات

(۱) Zulaid Ahmad contibution of India to Arabie litrature P.3

(۲) ڈاکٹر محمد سالم قدوائی ہندوستانی مفسرین اور ان کی عربی تفسیریں' ص : ص ۱۷

(۳) احسان دانش' جہاں دانش : ۲۰۵

(۴) معارف' مقدمہ

☆☆☆